اسلام اور فتنہ تکفیر

ابو محمد حافظ عبد الستار الحماد

مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھے اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف سے احکام اور خبریں دی ہیں ان کی صداقت وحقانیت پر یقین رکھے۔ زبان سے شہادتین کا اقرار کرے پھر اس اقرار کو ثابت کرنے کے لیے نماز پڑھے۔ رمضان کے روزے رکھے، زکوٰۃ ادا کرے اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے، ایسے مومن سے دوستی رکھنا واجب اور دشمنی کرنا حرام ہے، ان اوصاف کا حامل وہ سچا مسلمان ہے جو ہر دوسرے مسلمان کا ایمانی بھائی، اس کا مال، عزت و آبرو اور جان دوسرے پر حرام ہے، درج ذیل احادیث میں اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

☆ حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں تا آنکہ وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دیں، نیز مجھ پر اور جو ہدایات لے کر آیا ہوں ان پر ایمان لے آئیں، جب وہ ایسا کر لیں گے تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا ہاں اسلام کا حق ان سے وصول کیا جائے گا پھر ان کا حساب اللہ کے سپرد ہو گا''۔ (صحیح مسلم، الایمان:۱۲۶)

اس حدیث میں ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے بلکہ بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں کہ مذکورہ ایمانیات کے ساتھ ہر اس چیز کا انکار کرے جن کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے''۔ (صحیح مسلم، الایمان:۱۳۰)

دیگر روایات میں توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے، ان ارکان کا ذکر بطور تمثیل ہے کیونکہ ان احادیث سے مراد اللہ کے دین پر ایمان لانا اور دعوت اسلام کو قبول کر لینا ہے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں تا آنکہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں جب وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں، ہماری طرح نماز پڑھنے لگیں، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ان کے خون اور مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے حق اسلام کے پھر ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے''۔ (صحیح بخاری الصلوٰۃ:۳۹۲)

چونکہ اس وقت ایمان و اسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں کہ آدمی مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق نماز پڑھنے لگے، نماز پڑھتے وقت کعبہ کی طرف رخ کرنے لگے اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے اجتناب نہ کرے بلکہ کسی قسم کی جھجک کے بغیر اسے کھانے لگے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کو علامت کے طور پر ذکر فرمایا بلکہ بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے

کہ ان چیزوں کی بجا آوری پر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریوں میں ہمارے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے"۔ (صحیح بخاری، الصلوٰۃ:۳۹۳)
دراصل رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جب دعوت اسلام بڑی قوت اور تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی تو بکثرت ایسے واقعات پیش آنے لگے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے لیکن خاص حالات وواقعات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی کہ شاید انہوں نے حقیقی طور پر دل سے اسلام اختیار نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا خاص تعلق اس قسم کے لوگوں سے ہے، آپ ﷺ کا مقصد صحابہ کرام کو یہ بتلانا تھا کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی واضح علامات دیکھو کہ وہ اسلامی طریقہ کے مطابق نماز پڑھتا ہے اور نماز ادا کرتے وقت قبلہ مسلمین کی طرف ہی رخ کرتا ہے اور اہل اسلام کے ذبیحہ سے نفرت نہیں کرتا بلکہ بلا حجاب اسے کھالیتا ہے تو اسے مسلمان خیال کرو اور اس کے مال اور اس کی جان، عزت وآبرو کو اللہ اور اس کے رسول کی امان میں سمجھو، خواہ مخواہ اس بدگمانی میں نہ پڑو کہ اس کے دل میں اسلام نہیں بلکہ اس نے منافقانہ طور پر اسلامی شعائر کو اختیار کر لیا ہے۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں یعنی نماز پڑھنا، قبلہ کی طرف رخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا وہ مسلمان ہے خواہ وہ کیسے ہی سنگین قسم کے خلاف اسلام عقائد ونظریات رکھے اور گھناؤنے کافرانہ اور مشرکانہ اعمال کرے، اس قسم کے لوگوں کا ان احادیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور سرسری علامات ہی کا نام ہے، ایمان واعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت نہیں، اسلام کے متعلق اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہاں اس حقیقت سے تو انکار نہیں کہ کسی مسلمان کو گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیا جا سکتا جیسا کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تین باتیں اصول اسلام میں داخل ہیں ایک یہ کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اس کے بارے میں زبان کو روکا جائے یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے اور کسی بدعملی کی وجہ سے اسے خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے، دوسری چیز جہاد ہے وہ اس وقت سے جاری ہے جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور اس آخری زمانہ تک جاری رہے گا جبکہ اس امت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اسے ختم نہیں کرے گا اور تیسری چیز تقدیر پر ایمان لانا ہے"۔ (ابو داؤد ، الجہاد ۳۲/۲۵)

اس حدیث میں کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے "کلمہ گو" کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے امت کو اس غلطی اور گمراہی سے تنبیہ فرمائی ہے جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے، وہ صرف معاصی اور بداعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دے دیتے تھے، اس کے برعکس اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبوی کے مطابق یہ ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بدعملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور کافر نہیں ہو جاتا، البتہ ایسے لوگوں کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود کو ایمان واسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

امام بخاری اور فتنہ تکفیر

محدثین کے ہاں امام بخاریؒ کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔امت نے امیر المؤمنین فی الحدیث کے طور پر انہیں قبول کیا ہے اوران کی مایہ ناز تالیف ''الجامع الصحیح'' کو ''اصح الکتب بعد کتاب الله'' قرار دیا ہے۔امام بخاری نے مسئلہ تکفیر میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو عام اہل سنت کا موقف ہے کہ لوگ دیندار ہیں اور شرائع اسلام پر عمل پیرا ہیں، اس کے علاوہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ماننے والے اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر یقین رکھنے والے ہیں لیکن عقائد و نظریات میں سنگین قسم کی خرابیوں کے مرتکب ہیں، عقائد کی خرابی کسی انکار و تکذیب کی وجہ سے نہیں بلکہ معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے ہے ایسے لوگوں کو دین اسلام سے خارج قرار نہ دیا جائے اور نہ ہی کافر کہا جائے بلکہ اس قسم کے لوگوں سے روایات لینے میں بھی نرم گوشہ رکھا جائے، بشرطیکہ وہ عدالت و امانت سے موصوف ہوں اور صداقت و پرہیزگاری میں مصروف ہوں، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس موقف کے ثبوت و تائید میں کئی ایک اسلوب اور انداز اختیار کیے ہیں جن کی ہم وضاحت کرتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی انسان ایمان کے منافی کسی بات یا عمل کا مرتکب ہوتا ہے اگر اس کا ارتکاب معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے کرتا ہے تو اسے دین اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا ہاں اگر کوئی دیدہ دانستہ، بلا تاویل و جہالت کسی کفر پر مبنی بات یا کام کا مرتکب ہے تو بلاشبہ وہ کافر اور دین اسلام سے خارج ہے، امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں اپنی صحیح میں ایک باب بایں الفاظ قائم کیا ہے۔

''جو اپنے بھائی کو بلا تاویل کافر کہتا ہے وہ اپنے کہنے کے مطابق خود کافر ہو جاتا ہے''۔(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب نمبر ۷۳)

پھر آپ نے اس باب کو ثابت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیش کی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جب کوئی اپنے بھائی کو 'یا کافر' کے الفاظ سے پکارتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے'' (صحیح بخاری، الادب: ۶۱۰۳)

پھر امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں ایک دوسرا باب بایں الفاظ قائم کیا ہے:

''جو شخص کسی دوسرے کو تاویل یا جہالت کی وجہ سے کافر کہتا ہے تو اس صورت میں خود کافر نہیں ہوگا'' (صحیح بخاری، کتاب الادب باب نمبر ۷۴)

امام بخاریؒ نے اس عنوان کو ثابت کرنے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا ہے۔

''کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا دفاع تو کیا لیکن رد عمل کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافر یا منافق نہیں کہا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک معقول تاویل کی بناء پر منافق کہا تھا کہ انہوں نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایک اہم راز کا افشاء تھا، ایسا کرنا کفار سے دوستی رکھنے کے مترادف ہے، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک معقول وجہ سے انہیں منافق کہا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں کافر یا منافق قرار نہیں دیا بلکہ آپ ﷺ نے صرف حاطب رضی اللہ عنہ کے دفاع پر اکتفاء فرمایا کہ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے''۔(صحیح بخاری، المغازی: ۳۹۸۳)

امام بخاریؒ نے اپنے موقف کو مضبوط کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بھی بیان کیا ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے

سامنا اپنے باپ کی قسم اٹھائی تھی، چونکہ آپ کا یہ اقدام لاعلمی کی وجہ سے تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے باپ دادا کی قسم اٹھانے سے منع کرتا ہے اگر کسی نے قسم اٹھانا ہو تو صرف اللہ کی قسم اٹھائے۔ (صحیح بخاری، الادب: ۶۱۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لاعلمی کے پیش نظر انہیں کافر یا مشرک قرار نہیں دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم اٹھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔ (مسند امام احمد ص ۱۲۵ ج ۲ ص ۸۷ ج ۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے کافرانہ اقدام یا بات کرتا ہے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

امام بخاریؒ کے نزدیک فتنہ پرور اور بدعتی کی اقتداء میں نماز جائز ہے چنانچہ آپ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے۔

''فتنہ انگیز اور بدعتی کی امامت کا بیان''۔ (صحیح بخاری، الاذان باب نمبر ۵۶)

اس کے بعد امام بخاریؒ نے حسن بصریؒ کا ایک جواب نقل فرمایا ہے، آپ سے سوال ہوا کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے پیچھے نماز پڑھو اور بدعت کا وبال خود اسی پر ہوگا۔

پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے جبکہ آپ اپنے گھر میں محصور تھے اور مدینہ منورہ پر فساد انگیز اور فتنہ پرور لوگوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور مسجد نبوی میں بھی انہوں نے اپنا امام تعینات کر دیا تھا، لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حالات آپ کے سامنے ہیں، مسجد نبوی میں ایک فتنہ انگیز شخص نماز پڑھاتا ہے اور ہم اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج محسوس کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ نماز کی ادائیگی لوگوں کے اچھے اعمال سے ہے اگر وہ اچھا کام کرتے ہیں تو تم بھی اچھائی میں ان کے ہمراہ شریک ہو جاؤ اور اگر وہ برا کام کریں تو ان کی برائی سے اجتناب کرو۔ (صحیح بخاری، الاذان، ۶۹۵)۔

واضح رہے کہ امام فتنہ سے مراد کنانہ بن بشر ہے جو فتنہ میں خوارج کے سرداروں میں سے تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کی صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی مخالفت نہیں کی، اگر خوارج کے فتنہ پرور اور بدعتی لوگ دین اسلام سے خارج ہوتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا فتویٰ نہ دیتے۔

امام بخاریؒ کے اس انداز اور اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تکفیر کے معاملہ میں بہت محتاط ہیں، معمولی جرائم کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دینا آپ کا منہج اور طریقہ کار نہیں ہے۔ وھو المقصود۔

امام بخاری کے نزدیک کفر، ظلم اور امور جاہلیت کی چند ایک اقسام ہیں، ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے ارتکاب سے انسان دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا چنانچہ آپ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے۔

''خاوند کی ناشکری کرنا اور کفر کی چند اقسام ہیں''۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان باب نمبر ۲۱)

پھر آپ نے وہ حدیث بیان کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے خاوند کی ناشکری پر کفر کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے اکثر عورتوں کو جہنم میں دیکھا تو آپ ﷺ نے انہیں خبردار کیا کہ تم اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے۔ (صحیح بخاری، الایمان باب نمبر ۲۲)

اس عنوان کو ثابت کرنے کے لیے آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی، جب رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک جاہلیت کی خوبو باقی ہے"۔ (صحیح بخاری، الایمان، ۳۰)

امام بخاریؒ کا موقف واضح ہے کہ تکفیر بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ معمولی گناہوں کے ارتکاب پر کسی کو کافر قرار دینا دانشمندانہ اقدام نہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جاہلیت کی عادت پر خبردار کیا انہیں کافر قرار نہیں دیا، آخر میں امام بخاریؒ نے ظلم کی اقسام بتانے کے لیے ایک عنوان قائم کیا ہے کہ ظلم بھی کئی طرح کا ہوتا ہے (کتاب الایمان باب ۲۳) پھر آپ نے ظلم کی ایک ایسی قسم بتائی ہے جو شرک کے مترادف اور نا قابل معافی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "جو لوگ ایمان لائے پھر اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا، انہی کے لیے امن وسلامتی ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔ (الانعام: ۸۲) تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو، اس ظلم کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔ (لقمان: ۱۳) یعنی اس آیت میں مذکور ظلم سے مراد شرک ہے۔ (صحیح بخاری الایمان: ۳۲) امام بخاری نے اپنی صحیح میں لعن مطلق اور لعن معین کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے یعنی کسی معصیت کے ارتکاب پر مطلق طور پر لعنت کرنا تو صحیح اور جائز ہے لیکن کسی مرتکب گناہ کو نامزد کر کے لعنت کرنا صحیح نہیں ہے چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں ایک باب بایں الفاظ قائم کیا ہے:

"شراب نوشی کرنے والے کو نامزد کر کے لعنت کرنا ایک ناپسندیدہ فعل ہے اور شراب نوشی سے انسان ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا"۔ (صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب نمبر ۵)۔

پھر آپ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک شرابی کو جب حد لگائی گئی تو کسی نے اس پر لعنت کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح بخاری، الحدود: ۶۷۸۰)

حالانکہ متعدد احادیث میں شراب نوشی پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے ایک دوسرا عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے۔

"چور پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ نامزد نہ کیا جائے"۔ (صحیح بخاری، الحدود، باب نمبر ۶)

پھر آپ نے ایک حدیث کا حوالہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے، معمولی سا خود چرانے پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے"۔ (صحیح بخاری، الحدود، ۶۷۸۳)

ان روایات سے امام بخاریؒ کا موقف واضح ہو جاتا ہے کہ لعن مطلق سے لعن معین مراد نہیں لی جا سکتی، ان دونوں میں واضح فرق ہے۔ مختصر یہ ہے کہ کسی کو کافر قرار دینا بہت نازل مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جب تک کسی میں ایسی شرائط نہ پائی جائیں کہ اسے کافر قرار دیا جا سکے اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو قطعی طور پر کسی کو کافر کہنے سے گریز کرنا چاہیے

کفر اور تکفیر

تعریف، اقسام، اسباب، شرائط وموانع

قبل ازیں ہم نے بیان کیا تھا کہ مومن وہ ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو پھر انہوں نے جو تعلیمات واحکام دیئے ہیں ان کی صداقت وحقانیت پر یقین رکھتا ہو اور اپنے نفس کو ان کی بجا آوری میں ہر وقت تیار رکھے، اپنی زبان سے شہادتین کا اقرار کرے پھر اس اقرار کو سچا ثابت کرنے کے لیے نماز پڑھے، روزے رکھے، زکوٰۃ ادا کرے اور حج بیت اللہ بجالائے، یہ مسلمان ہر دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس کی عزت وآبرو اور خون ومال دوسروں پر حرام ہے اور اسے ایمان واسلام سے کوئی چیز خارج نہیں کرتی الا یہ کہ وہ:

ا۔جن چیزوں پر ایمان لایا ان تمام کی یا ان میں سے کسی ایک کی واضح تکذیب کردے۔

ب۔جس چیز کا اللہ یا اس کے رسول نے حکم دیا اس کا انکار کردے۔

ج۔جن چیزوں سے اسے منع کیا گیا ہے ان میں سے کسی کا منکر ہو جائے۔

د۔دینی معاملات کے متعلق مذاق واستہزاء کا کوئی پہلو اس کے قول وفعل سے ثابت ہو جائے۔

اب ہم کفر کے متعلق اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں کہ کفر کا لغوی معنی چھپانا ہے، اس لغوی معنی کی بناء پر کاشت کار کو بھی کافر کہا جاتا ہے کہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

" کمثل غیث اعجب الکفار نباته "۔(الحدید:۲۰)

دنیاوی رنگینی کی مثال اس بارش جیسی ہے جس کی نباتات کاشتکاروں کے لیے خوشی کا باعث ہیں۔

شرعی اصطلاح میں کفران نعمت کا یہ مطلب ہے کہ نعمت پر پردہ ڈالنا اور اس کا انکار کرنا، اس بناء پر حق سے کفر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس پر پردہ ڈالتے ہوئے اس کا انکار کر دیا جائے اور اسے جھٹلا دیا جائے۔شرعی طور پر کفر کی دو اقسام ہیں یعنی کفر اکبر اور کفر اصغر، محدثین کرام نے کفر کی ان اقسام کو کفر دون کفر سے تعبیر کیا ہے، کفر اکبر سے مراد ایسا کفر ہے جو ایمان کے مخالف اور اسلام کے منافی ہو اس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے لیکن خروج اسلام کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو اس حالت میں موت آجائے اور موت سے قبل اس نے توبہ نہ کی ہو، اگر کفر اکبر کے ارتکاب کے بعد موت سے پہلے اس نے توبہ کر لی تو اس کے لیے دخول جنت کی توقع کی جا سکتی ہے، بصورت دیگر وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا، کیونکہ ارتکاب کفر کے باعث وہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے، اس کفر اکبر سے کمتر درجہ کفر اصغر کا ہے، اس سے مراد ایسے گناہ ہیں جن پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے اور ان کے ارتکاب پر ایک مسلمان دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا، واضح رہے کہ کسی گناہ کو کفر سے منسوب کرنا، اس کی سنگینی کو دوسرے گناہوں سے بڑھا دیتا ہے، اس سے مراد ایسے گناہ ہیں جو آخرت میں عذاب وسزا کا باعث ہوں گے اگر اس کا مرتکب موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اپنے گناہوں کی سزا پانے تک جہنم میں رہے گا، اس کے بعد نجات کی امید کی جا سکتی ہے اگر اللہ چاہے تو سزا سے قبل اسے معاف کردے، لیکن کفر اکبر نا قابل معافی جرم ہے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی صراحت کی ہے۔

"اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کریگا، اس کے علاوہ دیگر گناہوں سے درگزر فرما لے گا" ۔النساء:۱۱٦)

کفر اکبر سے پہلے ہم کفر اصغر کے متعلق بیان کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں۔

☆ مسلمان سے جنگ کرنا، رسول اللہ ﷺ نے اس جرم پر کفر کا اطلاق کیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس کے لڑائی کفر ہے۔(صحیح بخاری، الادب، ٦٠۴۴)

ایک دوسرے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم بایں طور کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔(صحیح بخاری الحج: ۱۷۳۹)

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی باہمی جنگ کفر ہے لیکن یہ ایسا کفر نہیں ہے کہ انسان کو ملت اسلام سے خارج کردے کیونکہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے باہمی جنگ وجدال کرنے والوں کو مسلمان کہا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرادو"۔(الحجرات:۹)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا اس جرم پر کفر کا لفظ بولنا اس کی سنگینی کو واضح کرنے کے لیے ہے اور اس سے مراد کفر اصغر ہے۔

☆ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام کی قسم اٹھانا، رسول اللہ ﷺ نے اس جرم پر بھی کفر کا اطلاق کیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم اٹھائی تو اس نے شرک کیا یا اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔(مسند امام احمد ص۱۲۵ ج ۲)

علمائے اہل سنت کا اس امر پر اجماع ہے کہ اس کفر وشرک سے مراد بھی کبیرہ گناہ ہے اور اس کا مرتکب دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

☆ کسی جج یا حاکم کا اللہ کے نازل کردہ احکامات کے علاوہ فیصلہ کرنا، اس پر بھی کفر کا لفظ بولا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل کردہ احکامات کے علاوہ فیصلہ کرتا ہے، پس یہی لوگ کافر ہیں۔(مائدہ) اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا کفر نہیں ہے جو اسلام سے خارج کرتا ہے (مستدرک حاکم) لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے والا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھے، آخرت پر اسے پختہ یقین ہو اور وحی الٰہی کو قبول کرنے والا ہو، اگر یہ شرائط پائی جائیں تو ایسا حاکم ملت اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔

☆ کاہن اور نجومی کے پاس آنا اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والی اخبار غیب کی تصدیق کرنا بھی کفر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کاہن یا نجومی کے پاس آتا ہے اور اس کی خبر کو سچا کہتا ہے تو اس نے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی تعلیمات کا انکار کیا۔(مسند امام احمد ص ۴۲۹ ج ۲) اہل سنت کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ کفر بھی کفر اصغر کی قبیل سے ہے۔

☆ کسی مسلمان کا اپنے بھائی کو کافر کہہ دینا یا اسے "اے کافر" کہہ کر آواز دینا بھی کفر ہے حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب کوئی شخص اپنے بھائی کو "اے کافر" کہہ کر بلاتا ہے تو یہ کفر دونوں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹتا ہے"۔(صحیح بخاری الادب: ٦۱۰۳)

اگر کہنے والا سچا ہے تو مخاطب کافر ہوا اور اگر وہ جھوٹا ہے تو خود اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ یہ بھی کفر اصغر ہے اور کہنے والا اس کلمہ سے دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جرم پر کفر کا اطلاق اس لیے کیا ہے تاکہ اس کی سنگینی سے لوگوں کو مطلع کیا جائے کیونکہ کسی مسلمان کو کافر کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

☆ حائضہ عورت سے جماع کرنا یا کسی عورت سے بدفعلی کرنا بھی کفر کا درجہ رکھتا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جو شخص حائضہ عورت پر داخل ہوا یا عورت کو اس کی دبر سے آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ پر جو تعلیمات نازل ہوئیں ہیں ان کی نفی کر ڈالی''۔

(مسند امام احمد ص ۴۷۶ ج ۲)

☆ احسان فراموشی پر بھی کفر کا لفظ بولا گیا ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خود وضاحت فرمائی ہے کہ یہ کفر، کفر باللہ نہیں ہے بلکہ کفران نعمت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس میں اکثریت عورتوں کی تھی جو کفر کا ارتکاب کرتی تھیں، عرض کیا گیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی تھیں فرمایا نہیں بلکہ وہ خاوند اور اس کے احسانات کا انکار کرتی تھیں، اگر تو اپنی بیوی کے ساتھ لمبی مدت تک اچھا برتاؤ کرے اگر ایک دن بھی تنگی آ جائے تو فوراً کہہ دیتی ہے کہ میں نے تیری طرف سے کبھی خیر و برکت نہیں دیکھی ہے''۔ (صحیح بخاری الایمان:۲۹)

اس حدیث پر امام بخاریؒ نے بایں طور پر عنوان قائم کیا ہے۔

''خاوند کی ناشکری کرنا اور کفر کی کئی ایک اقسام ہیں''۔

☆ کسی کو حقارت سے خاندانی عار دلانا، اسے رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت کی یادگار قرار دیا ہے لیکن اس کے ارتکاب سے انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان قائم کرتے ہوئے ''بعض گناہ دور جاہلیت کا بقایا ہیں لیکن ان کے ارتکاب سے انسان کافر نہیں ہوتا صرف شرک ایسی چیز ہے جس کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے''۔

امام بخاریؒ نے اس عنوان کے تحت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو گالی دی اور اسے اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو ایسا آدمی ہے کہ تیرے اندر دور جاہلیت کی خو بو باقی ہے۔ (صحیح بخاری، الایمان:۳۰) کفر اصغر کی متعدد صورتیں احادیث میں بیان ہوئی ہیں، اسی طرح شرک کے متعلق بھی تقسیم ہے کہ بعض گناہوں پر شرک اصغر کا اطلاق ہوا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ریاکاری کے متعلق فرمایا:

''ریاکاری سے خبردار رہو کیونکہ یہ شرک اصغر ہے''۔ (مسند امام احمد ص ۴۲۸ ج ۵)

شرک کی یہ تقسیم خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے فرمایا مجھے شرک اصغر کا زیادہ خطرہ ہے، صحابہ کے سوال کرنے پر آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اس سے مراد ریاکاری اور نمائش ہے۔ (مسند امام احمد ص ۴۲۹ ج ۵)

اب ہم اس کفر کی تفصیل بیان کرتے ہیں جس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس قسم کے کفر کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ کفر اعتقاد

۲۔ کفر گفتار

۳۔ کفر کردار

کفر اعتقاد کی پانچ انواع حسب ذیل ہیں۔

☆ کفر تکذیب: انسان یہ عقیدہ رکھے کہ حضرات انبیاء علیھم السلام نعوذ باللہ جھوٹ بولتے ہیں۔

☆ کفر استکبار: تکبر و غرور کی وجہ سے حق کا انکار کر دینا جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر ہے۔

☆ کفر اعراض: حضرات انبیاء علیھم السلام کو کوئی اہمیت نہ دینا یعنی ان کی تصدیق یا تکذیب نہ کی جائے بلکہ ان کی بات تک سننا گوارا نہ کی جائے۔

☆ کفر نفاق: زبان سے ایمان ظاہر کرنا لیکن دل میں کفر چھپائے رکھنا جیسا کہ دور نبوت میں پائے جانے والے منافقین کا کفر تھا۔

☆ کفر شک: حضرات انبیاء علیھم السلام اور ان کی تعلیمات کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کرنا۔

دین اسلام میں داخل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تسلیم و رضا اور ازعان و یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد کرے، لا الہ الا اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، الوھیت و حاکمیت اور اس کے اسماء صفات میں کسی غیر کو شریک نہ کرے نیز عبادت کرتے وقت غیر اللہ کی طرف توجہ نہ کرے، محمد رسول اللہ کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے جو احکام لے کر آئے ہیں یا جن غیبی امور کی آپ ﷺ نے خبر دی ہے انہیں من جانب اللہ تسلیم کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے نیز رسول اللہ ﷺ کی عزت و توقیر، امانت و دیانت، عفت و عصمت اور دیگر صفات نبوت کا تہہ دل سے اقرار کرے۔ اس قسم کے عہد و پیان کے بعد اسلام سے خارج ہونے کی صرف یہی صورت ہوگی کہ وہ کھلے بندوں توحید و رسالت اور اس کے تقاضوں سے منکر ہو جائے اور جس دروازے سے اسلام میں داخل ہوا تھا اس سے واپس باہر چلا جائے یا اس کے کسی قول و اقرار اور عمل و کردار سے معلوم ہو کہ اس نے اپنے توحید و رسالت کے اقرار کو ختم کر دیا ہے پھر اگر اس کا قول و کردار، اس کی نیت و اعتقاد کے عین مطابق ہوا تو وہ دنیوی اور اخروی لحاظ سے کافر شمار ہوگا اور اس کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا نیز ارتداد کے احکام اس پر نافذ ہوں گے یعنی پہلے تو اسے ارتداد سے توبہ کی تلقین کی جائے گی اگر وہ توبہ کرنے کے بجائے انکار پر مصر رہا تو اسلامی حکومت اسے قتل کرنے میں حق بجانب ہوگی اور اخروی لحاظ سے وہ دوسرے کافروں کی طرح ہمیشہ کے لیے جہنم کا سزاوار ہوگا۔

اس تمہید سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد اسلام سے خارج ہونے کی متعدد صورتیں ہیں جنہیں چار انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و خالقیت کا انکار یا اس میں طعن کا ارتکاب کرنا۔

۲۔ الوھیت و عبادت اور حاکمیت سے نفرت اور اظہار برأت کرنا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے بہترین ناموں اور اسکی پاکیزہ صفات پر حرف گیری کرنا۔

۴۔ رسالت کا انکار اور صاحب رسالت کے متعلق طعن و تشنیع کرنا۔

اس بناء پر ہر وہ قول، فعل اور اعتقاد جو ان دونوں میں سے کسی ایک پر مشتمل ہو اس کا مرتکب کفر اور ارتداد میں داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ عبادت تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ غیر اللہ قطعی طور پر اس کا حقدار نہیں ہے۔ عبادت سے مراد انتہائی خضوع و خشوع اور اطاعت و انقیاد ہے، اس میں محبت، خشیت، استعانت، دعا، توکل، رجا، رکوع، سجود، صوم، نذر، ذبح اور طواف وغیرہ تمام چیزیں شامل ہیں، اگر ان میں سے کسی ایک کو غیر اللہ کے لیے کیا گیا تو کلمہ توحید کے منافی ہے۔ واضح رہے کہ خشیت و استعانت اور خوف و رجا وہ مراد ہے جس پر اللہ کے علاوہ اور کوئی قدرت نہیں رکھتا، اگر ان میں سے کوئی چیز انسان کے بس میں ہے تو اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ مثلاً

کسی حاکم سے ڈرنا، جو اسے قید و بند یا مارنے کی دھمکی دیتا ہے، یا اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کسی سے تعاون لیتا ہے، یا اس سے کوئی امید وابستہ کرتا ہے، کہ حتیٰ المقدور اس کی مدد کرے گا، یہ چیزیں اسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کریں گی۔

توحید کی تیسری قسم توحید اسماء و صفات ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خود کو جن صفات سے متصف کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے جن اسماء اور صفات عالیہ کا تذکرہ کیا ہے، ان پر بایں طور پر ایمان لانا کہ انہیں بلا تاویل و تمثیل اور بلا تکیف و تشبیہ تسلیم کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، انہی ناموں سے اللہ تعالیٰ کو پکارا کرو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں"۔ (الاعراف:۱۸۰)

اس توحید کی ضد یہ ہے کہ اس کے ناموں اور صفات میں کج روی اختیار کرتے ہوئے ان کا انکار کر دیا جائے، اس الحاد و انکار کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ اللہ کے نام یا اس کی صفات کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ مشرکین مکہ نے اللہ کے نام اپنے بتوں کے لیے مخصوص کر رکھے تھے اور ان میں کمی و بیشی کا ارتکاب کیا تھا جیسا کہ اللہ سے الات، العزیز سے العزی اور المنان سے منات وغیرہ۔

۲۔ الحاد و انکار کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کو بیان کیا جائے اور مخلوق کی صفات سے انہیں تشبیہ دی جائے جیسا کہ کرسی یا عرش سے مراد اس کی حکومت لی جائے۔

۳۔ اس کی تیسری قسم یہ ہے کہ سرے سے انکار کر دیا جائے۔ اس کی دو انواع ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء کا اثبات کرتے ہیں لیکن صفات کمال سے انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے لیکن رحمت کے بغیر، علیم و قدیر ہے لیکن علم و قدرت کے بغیر۔

۲۔ کلی طور پر اسکے ناموں اور صفات کا انکار کرتے ہیں، یعنی اللہ کا کوئی نام یا صفت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایسی ہفوات سے پاک ہے۔ واضح رہے کہ توحید کی یہ تینوں اقسام باہمی طور پر اس طرح لازم و ملزوم ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک نوع میں شرک کیا جائے گا تو اس کا مرتکب دوسری انواع میں بھی مشرک ہوگا العیاذ باللہ۔ نواقض اسلام کی یہ اقسام کلمہ توحید کی پہلی خبر یعنی لا الہ الا اللہ سے متعلق تھیں

نواقض اسلام کی چوتھی قسم ہر وہ قول وعمل اور عقیدہ ہے جو رسالت اور صاحب رسالت کے متعلق طعن وتشنیع پر مشتمل ہو کیونکہ اس سے کلمہ توحید کا دوسرا جزو "محمد رسول اللہ" مجروح ہوتا ہے اس جزو کا معنی یہ ہے کہ تسلیم ورضا کے ساتھ دل کی گہرائی سے اس بات کا اقرار کیا جائے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور تمام جن وانس کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں نیز اس جزو کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی بتائی ہوئی تمام چیزوں کو دل وجان سے تسلیم کیا جائے خواہ وہ ماضی کی اخبار ہوں یا مستقبل کے حوادث وواقعات، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کرنا اور آپ ﷺ کے فیصلوں پر رہنا بھی اس میں شامل ہے، اس سلسلے میں یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس وقت تک اپنے پاس نہیں بلایا جب تک آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس روشن راستہ پر نہیں لگا دیا جس کی رات بھی دن کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر اس وصف سے متصف فرمایا جو اداء رسالت اور تبلیغ دین کے لیے ضروری تھا، اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ دو کاموں سے کلمہ توحید کے دوسرے جزو کی گواہی کالعدم ہو سکتی ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو ہدف تنقید بنانا۔

۲۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے کسی حصے کا انکار کر دینا یا اس پر طعن کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کو ہدف تنقید بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے صدق وامانت اور عفت وعصمت کے متعلق حرف گیری کرنا یا آپ ﷺ کی ذات عالی صفات کے ساتھ کسی پہلو سے استہزاء وتمسخر کرنا یا آپ ﷺ کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا، یعنی آپ ﷺ کی ذات پر کسی بھی پہلو سے اعتراض کرنا اس میں شامل ہے۔

دوسری قسم میں ہر چیز کا انکار شامل ہے، جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے مثلاً قیامت کے دن حساب وکتاب، میزان وصراط اور جنت و دوزخ وغیرہ۔ جن کا تعلق امور مغیبات سے ہے۔ اسی طرح قرآن کریم یا احادیث نبویہ کا انکار کرنا، فرضیت نماز کو نہ ماننا، ادائیگی زکوٰۃ کو تسلیم نہ کرنا، چوری اور زنا کی حرمت سے انکار کرنا وغیرہ تمام امور اسی قسم میں شامل ہیں۔ اس مقام پر یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ان امور دین کا انکار کفر کا باعث ہوگا جو عام اور مشہور ہیں اور جن پر امت کا اجماع ہے جیسے پانچ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، غسل جنابت، حرمت زنا وغیرہ، ہاں اگر کسی نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے، اسے دینی معاملات سے آگاہی نہیں ہے اگر وہ جہالت کی وجہ سے ان باتوں کا انکار کرتا ہے تو معذور خیال کیا جائے گا۔

اسی طرح شریعت کے وہ کام جو مشہور نہیں ہیں جنہیں خاص علماء کے علاوہ دوسرے نہیں جانتے یا جن کا تعلق اجتہاد سے ہے، یا جن پر امت کا اجماع نہیں ہے، ان کا انکار بھی کفر کا باعث نہیں ہوگا۔ نواقض اسلام کی ان چار اقسام کو بیان کرنے کے بعد ہم ان اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں جو کفر کا باعث ہیں تاکہ ہم ان سے احتیاط کریں مبادا ہم ان میں گرفتار ہو جائیں۔

- اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا۔
- اپنے اور اللہ کے درمیان کسی کو واسطہ دے کر پکارنا اور اس سے سفارش طلب کرنا۔
- اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام کا ذبح کرنا اور اس کے لیے نذر ونیاز دینا۔
- اللہ تعالیٰ کی ربوبیت یا وحدانیت کا انکار کرنا۔
- یہ عقیدہ رکھنا کہ کائنات کا کوئی خالق نہیں بلکہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔

- اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو عبادت کے طور پر سجدہ کرنا۔
- یہ عقیدہ رکھنا کہ وقوع حوادث سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہیں ہوتا۔
- یہ عقیدہ رکھنا کہ موجودہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں۔
- قرآن مجید یا کتب حدیث کو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینکنا۔
- آخرت اور اس میں ہونے والے واقعات سے انکار کرنا۔
- جنت اور جہنم کے دائمی ہونے کے متعلق شک کا اظہار کرنا۔
- انبیاء علیہم السلام کی بشریت سے انکار کرنا۔
- رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ اللہ کے ذاتی نور کا ایک جزو ہیں۔
- یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کے بعد بھی کوئی دوسرا نبی آسکتا ہے۔
- فرشتوں یا جنوں کا انکار کرنا یا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینا۔
- صحابہ کرام کو کافر کہنا اور امہات المومنین میں سے کسی کی توہین کرنا۔
- محرمات کو حلال سمجھتے ہوئے ان کا ارتکاب کرنا مثلاً شراب کو حلال سمجھتے ہوئے اس نوش کرنا۔
- منہیات کے ارتکاب پر فخر ومباحات کرنا۔
- اسلام اور اہل اسلام سے بغض وعداوت رکھنا۔
- شرک اور اہل شرک سے محبت رکھنا۔
- مسلمانوں کے خلاف کفار اور مشرکین کی مدد کرنا۔
- اللہ کے دین سے بایں طور روگردانی کرنا کہ اس کے متعلق معلومات نہ حاصل کی جائیں اور نہ ہی ان کے مطابق عمل کیا جائے۔
- یہ عقیدہ رکھنا کہ اسلامی نظام موجودہ دور کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا لہٰذا خود ساختہ قوانین دین اسلام سے بہتر ہیں۔
- یہ عقیدہ رکھنا کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں اور موجودہ دور میں مناسب نہیں ہیں۔
- یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی دوسرے کی ہدایات زیادہ کامل اور بہتر ہیں۔
- رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے انکار کرنا اور ان سے بغض رکھنا۔
- دین اسلام کی کسی چیز کا مذاق اڑانا اور اس سے استہزاء کرنا۔
- کفار ومشرکین کے کفر وشرک میں شک کرنا اور ان کے طرز زندگی اور طریق کار سے اتفاق کرنا۔
- یہ عقیدہ رکھنا کہ اس امت کے بعض افراد ایسے ہیں جنہیں شریعت کی پابندی کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ان کے ذمے ہے۔

o جادو، ٹونا کرنا اور اس پر یقین رکھنا کہ یہ ذاتی طور پر کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ اعتقادی کفر کی پانچ اقسام ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔یاددہانی کے طور پر انہیں ذکر کیا جاتا ہے۔

o کفر تکذیب :انسان یہ عقیدہ رکھے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام جھوٹ بولتے ہیں۔

o کفر استکبار: تکبر وغرور کرتے ہوئے اللہ کے حکم کو ٹھکرا دینا جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر ہے۔

o کفر اعراض:حضرات انبیاء علیہم السلام کو کسی قسم کی اہمیت نہ دی جائے یعنی ان کی بات کو سنی ان سنی کر دیا جائے۔

o کفر نفاق: زبان سے ایمان ظاہر کرنا لیکن دل میں کفر کو چھپائے رکھنا۔

o کفر شک:حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذات وصفات کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کرنا۔

یہ کفر کے اسباب ہیں جو شخص ان تمام باتوں میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو وہ بلاشبہ کافر ہے لیکن معین طور پر کسی کو کافر قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کوئی مانع نہ پایا جائے کیونکہ موانع کی موجودگی میں کسی کو معین طور پر کافر قرار دینا شرعا درست نہیں

دنیا کا بیشتر نظام اسباب ووسائل پر قائم ہے اسی طرح شرعی احکام کے کچھ اسباب ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وراثت کی تقسیم ایک شرعی حکم ہے لیکن اس کے اجراء کا سبب مورث کا فوت ہونا ہے لیکن بعض اوقات کسی حکم کا سبب موجود ہوتا ہے لیکن اس حکم کا اجراء کسی رکاوٹ کی بناء پر نہیں ہو سکتا اس رکاوٹ کو شرعی اصطلاح میں مانع کہتے ہیں جیسا کہ مذکورہ مثال میں مورث کی وفات کے بعد بیٹے کو وارثت ملنا چاہیے لیکن بدقسمتی سے اس نے مورث کو قتل کیا ہے تو اس کا قتل کرنا اس کے حق میں ایک مانع کی حیثیت رکھتا ہے اس وجہ سے وہ وراثت سے محروم ہوگا،اس مختصر تمہید کے بعد ہم نے گزشتہ تکفیر کے کچھ اسباب بیان کیے تھے جن کی بناء پر انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے،اب ہم موانع کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو اسباب کفر کے باوجود کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے کے لیے رکاوٹ بن جاتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:''اہل ایمان کو چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کوئی واسطہ نہیں الا یہ کہ تمہیں ان کافروں سے بچاؤ کے لیے کسی قسم کا طرز عمل اختیار کرنا پڑے''۔(آل عمران:۲۸)

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے خطاب ہے یعنی کوئی مومن کسی کافر کو دوست نہ بنائے اور اہل ایمان کی جماعت اہل کفر کی جماعت سے دوستی نہ رکھے اور مومنوں کی حکومت ،کافروں کی حکومت کو اپنا دوست نہ بنائے کیونکہ کافر کبھی مومن کا خیرخواہ نہیں ہو سکتا،جب بھی اسے موقع لے گا وہ نقصان ہی پہنچائے گا،اس قسم کی دوستی رکھنے سے انسان اللہ سے بے تعلق ہو جاتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے گویا کفر اور اہل کفر سے دوستی رکھنا،اسلام سے نکل جانے کا ایک سبب ہے لیکن آیت کریمہ میں ایک استثنائی صورت بھی بیان ہوئی ہے جو ایسے حالات میں کسی کو کافر قرار دینے کے لیے رکاوٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔وہ یہ کہ اگر بے تعلق رہنے سے کسی کافر سے کچھ خطرہ ہو تو ظاہر داری اور مدارات کے طور پر اس سے دوستی رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: "جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا الا یہ ہے کہ وہ مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو معاف ہے) مگر جس نے برضا و رغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب (النحل، ۱۰۶) اس آیت کریمہ میں بھی ایمان لانے کے بعد کلمہ کفر کہنے یا کفریہ کام کرنے پر اسے اللہ کے غضب کا حقدار اور عذاب عظیم کا سزاوار قرار دیا گیا ہے لیکن اس میں بھی ایک استثنائی صورت ہے کہ اگر کوئی مسلمان، اہل کفر کی سختیوں اور مصیبتوں سے گھبرا کر یا جان کے خطرہ کے وقت منہ سے کلمہ کفر کہہ دے یا کفریہ کام کر لے تو اسے اجازت ہے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہو لیکن جو لوگ اسلام لانے کے بعد پیش آمدہ مصائب سے گھبرا کر اپنی سابقہ کفر کی، آرام طلبی کو ترجیح دیں اور کسی قسم کا دنیوی نقصان برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوں اور ان کے دلوں سے ایمان کی محبت ختم ہو جائے تو ایسے لوگ معافی کے حقدار نہیں بلکہ فی الواقع عذاب عظیم کے مستحق ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات اسباب تکفیر کے باوجود کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے میں کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے جسے ہم مانع تعبیر کرتے ہیں جس کی جمع موانع ہے، کسی کو اسباب کفر کے باوجود کافر قرار دینے کے لیے متعدد موانع ہیں جن میں ایک اکراہ اور تقیہ ہے جن کا درج بالا آیات میں ذکر ہوا ہے، اس اکراہ سے مراد صرف خوف اور ڈر نہیں بلکہ ایسی مجبوری ہے جس سے انسان بے بس ہو جائے، فقہاء نے اکراہ کی تعریف بایں الفاظ کی ہے۔

"کسی شخص کا وہ قول یا فعل ہے جو دوسرے شخص کو اس کی خواہش کے خلاف اس فعل کے کرنے پر مجبور کر دے"۔

اس اکراہ کی دو بڑی اقسام ہیں یعنی اکراہ تام اور اکراہ ناقص

☆ اکراہ تام: جس میں انسان اس حد تک مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کی رضا معدوم اور اختیار سلب ہو جاتا ہے جسے ہم بے بس اور لاچارگی سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً قتل یا جسم کے کسی عضو کو ضائع کرنے کی دھمکی یا ایسی مار کی دھمکی جس سے جان جانے کا اندیشہ ہو۔

☆ اکراہ ناقص: جس میں انسان صرف اس حد تک مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کی رضا تو معدوم ہو جائے لیکن اس کا اختیار سلب ہونے کے بجائے فاسد ہو جائے مثلاً ایسی دھمکی دی گئی ہو جس سے جان جانے یا جسم کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔

پھر اس اکراہ کی کچھ شرائط ہیں ان میں چند ایک کا تعلق مجبور کرنے والے شخص سے ہے اور کچھ شرائط کا تعلق اس شخص سے ہے جسے مجبور کیا جا رہا ہے چنانچہ مجبور کرنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی اس نے دھمکی دی ہے جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہے اسے اس امر کا یقین ہو کہ دھمکی دینے والا اپنی دھمکی کے مطابق عمل کر گزرے گا بصورت دیگر شرعاً اکراہ ثابت نہ ہوگا ہاں فعل کی نوعیت اگر ایسی ہو جس میں یقین سے نہ کہا جا سکے کہ دھمکی دینے والا شخص وہ فعل کر گزرے گا تو ظن غالب کا اعتبار کیا جائے گا جو یقین کے قریب قریب ہوتا ہے پھر جن پر اکراہ واقع ہوتا ہے اس کی دو اقسام ہیں یعنی مباح اور مرخص،

مباح میں وہ امور شامل ہیں جن کا ارتکاب اکراہ تام کے سبب حالت اضطراب میں مباح ہو جائے گا مثلاً انتہائی شدت کی بھوک میں جب کہ جان جانے کا اندیشہ ہو مردار گوشت کھا لینا۔

مرخص میں وہ افعال داخل ہیں جس کی شرع نے کرنے یا نہ کرنے دونوں کی اجازت دی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص اکراہ تام کی صورت میں کلمہ کفر زبان سے نکالے مگر اس کا دل ایمان پر قائم ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص خواہ وہ فعل کرے گا یا نہ کرے گا شرعاً اسے کوئی مواخذہ نہ ہو گا البتہ ایسے حالات میں اس کا نہ کرنا بہتر ہے چنانچہ اگر کوئی مسلمان اکراہ تام کے باوجود کلمہ کفر زبان سے نہ نکالے اور قتل ہونا پسند کرے ایسے حالات میں اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اللہ کے ہاں اجر پائے گا کیونکہ اس نے رخصت پر عمل کرنے کی بجائے عزیمت کا مظاہرہ کیا ہے چنانچہ مکی دور میں جب قریش مکہ کی طرف سے مظالم ڈھائے جا رہے تھے اور انہیں ظلم وستم کی چکی میں پیسا جا رہا تھا تو اکثر صحابہ کرام نے اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی اور وہ رخصت سے فائدہ اٹھانے کیبجائے عزیمت پر ہی عمل پیرا رہے وہ مصائب و آلام کو برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام نے اپنی جانیں تک قربان کر دیں جیسا کہ حضرت یاسر اور ان کی زوجہ محترمہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنھم جو ابوجہل کے غلام تھے، اس لعین نے انہیں بڑی بے دردی سے شہید کر دیا حتیٰ کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنھا نے اپنی شرمگاہ میں نیزہ لگنے سے جام شہادت نوش فرمایا لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی، اس کے برعکس حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کافر آپ سے کہلوانا چاہتے تھے چنانچہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے ایسے حالات میں آپ ﷺ کو برا بھلا کہا اور قریش کے معبودان باطلہ کا ذکر خیر کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسے حالات میں تیرے دل کی کیفیت کیا تھی سیدنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرا دل تو پوری طرح ایمان پر مطمئن ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر پھر تم سے وہ ایسا ہی سلوک کریں تو تم پھر اس رخصت سے فائدہ اٹھالینا''۔ (مستدرک حاکم ص ۳۵۷ ج ۲) قرآن کریم کی وہ آیت جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے وہ اسی سلسلہ میں نازل ہوئی، جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں: ''جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا الا یہ کہ وہ مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو معاف ہے) مگر جس نے برضا و رغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہیں بہت بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا''۔ (النحل: ۱۰۶)

اس کے بعد والی آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر مصائب سے گھبرا کر دین سے برگشتہ ہو جائے اور کفر کی آرام طلب زندگی کو پسند کرنے لگے تو ایسے لوگوں کو اس اجات سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور اللہ تعالیٰ کفر کی روش اختیار کرنے والوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا''۔ (النحل: ۱۰۷) اسی طرح جس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو اہل کفر سے بے تعلق رہنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن اگر بے تعلق رہنے سے کسی خطرے یا نقصان کا اندیشہ ہو تو ظاہر داروں کے طور پر دوستی رکھنے کی اجازت کا ذکر ہے۔ اس کے لیے جو لفظ استعمال ہوا ہے اسے ہم تقیہ سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کا معنی کسی معقول عذر کی وجہ سے اپنے اسلام کو چھپانا خواہ اسلام کے عدم اظہار کی صورت میں ہو خواہ ایمان کے منافی کردار کے اظہار کی شکل میں ہو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لفظ ''تقاۃ'' استعمال فرمایا ہے جسے ہم تقیہ سے تعبیر کرتے ہیں، جس کا معنی کسی معقول عذر کی بناء پر اپنے اسلام کو چھپانا ہے خواہ وہ اسلام کے عدم اظہار کی صورت میں ہو خواہ ایمان کے منافی کردار کو ظاہر کرنے کی شکل میں ہو، وہ آیت کریمہ حسب ذیل ہے:

''اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنے جیسے اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں سے ہرگز دوستی نہ رکھیں، اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں الا

یہ کہ تمہیں ان کافروں سے بچاؤ کے لیے کسی قسم کا طرزِ عمل اختیار کرنا پڑے"۔(آل عمران:۲۸)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اہل کفر سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ کافر کبھی مومن کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا جب بھی اسے موقع ملے گا، وہ نقصان ہی پہنچائے گا، اس سے قطعاً خیر کی کوئی توقع نہیں، ہاں اس میں ایک استثنائی صورت ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس رعایت سے صرف اس قدر فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے، جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو بصورت دیگر اگر کفر کی محبت کو دل میں جگہ دی یا کافروں سے محبت کا برتاؤ رکھا تو اللہ تعالیٰ سے کوئی ظاہری یا باطنی عمل پوشیدہ نہیں، وہ بڑی قدرت اور طاقت والا ہے، وہ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی سزا دے سکتا ہے، اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب سے دوچار کر سکتا ہے، اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اگر کافروں سے ڈرنے کے بجائے اللہ کے ڈر کو مقدم رکھا جائے تو وہ ان کے فتنہ اور شر سے بچانے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے اور اس کے لیے کئی دوسری راہیں بھی پیدا کر سکتا ہے، غالباً اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس "اجازت" کے بعد فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے"۔(آل عمران:۲۸)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تقیہ کی حدود و قیود کو بیان فرمایا: اگرچہ ہمارے ہاں عام طور پر اس لفظ یعنی تقیہ کو منافقت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے متعلق تفصیلی گفتگو کی جائے، اور انہیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کبھی مسلمان ایسے حالات سے دوچار ہو تو اس کے ظاہر کو دیکھ کر اسے کافر نہیں قرار دینا چاہیے۔ بلکہ تقیہ، تکفیر کے لیے ایک رکاوٹ کا باعث ہے، اس مقام پر یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی دو اقسام سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے ایک وہ کافر ہے جو اپنے کفر کے باوجود مسلمانوں کو تنگ نہیں کرتا، ان سے الجھتا نہیں ایسے کافروں سے عام حالات میں بھی رواداری اور مروت سے کام لینے کی اجازت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ تعالیٰ تمہیں ان کافروں سے منع نہیں کرتا جو نہ تم سے دین کے بارے میں لڑے اور نہ تمہیں گھروں سے نکالے، اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف کرو، اللہ تعالیٰ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔(الممتحنۃ:۸)

دوسرا وہ کافر ہے جو مسلمانوں سے اسلام کی وجہ سے لڑتا ہے اور انہیں اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے ان سے کسی قسم کی رواداری نہیں کی جا سکتی ایسے کفار کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جن کافروں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی کی اور تمہیں گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی اللہ تمہیں منع کرتا ہے کہ انہیں اپنا دوست بناؤ"۔(الممتحنۃ:۹)

دراصل ایک مسلمان سے قرآن و حدیث کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر کو باطن کے مطابق رکھے اور اپنے دین کا اظہار کرے اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو"۔(البقرہ:۲۰۸)

اس آیت کریمہ کا تقاضا ہے کہ دین اسلام کو قبول کرنے کے بعد اسے چھپا کر نہیں رکھنا چاہیے پھر یہ دین تمام شعبہائے زندگی پر مشتمل ہونا چاہیے اور اس کے تقاضوں کے مطابق اعلانیہ عمل کرنا چاہیے لیکن بعض مقامات پر طاغوتی طاقتیں اس قدر زور آور ہوتی ہیں کہ

مسلمان وہاں کھل کر اپنے دین کا اظہار نہیں کر سکتا بصورت دیگر اسے امتحانات سے گزرنا اور مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے حالات میں دین اسلام کا مطالبہ ہے کہ اسے بچانے کے لیے اس مقام کو خیر باد کہہ دیا جائے اور وہاں سے ہجرت کر کے رہنے کے لیے کوئی ایسی جگہ منتخب کی جائے جہاں کھل کر اپنے دین کا اظہار کیا جا سکے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ درپیش نہ ہو، ہجرت کرنے کے لیے دارالکفر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات انسان غیر معیاری مسلمانوں میں رہتے ہوئے بھی ایسے حالات سے دوچار ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ دارالکفر میں رہتے ہوئے بعض اوقات انسان اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی وجہ سے اپنے دین کو بچائے رکھتا ہے۔ دراصل اہل ایمان سے موالات اور اہل کفر سے براءت کا اظہار ہے، جس مقام پر مسلمانوں سے دوستی اور کفار سے دشمنی کا اظہار ہو سکتا ہو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے اور اس سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہجرت ان لوگوں کے لیے ہے جو اسلام کی وجہ سے آئے دن فتنوں میں مبتلا رہتے ہوں اور جنہیں اس قسم کا خطرہ نہ ہو، وہ دارالکفر میں رہتے ہوئے اظہار اسلام پر قادر ہوں ان پر وہاں سے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ان جیسے دیگر اصحاب کو اسلام لانے کے بعد مکہ میں ہی رہنے کی تلقین فرمائی کیونکہ انہیں کفار کی طرف سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں تھا۔ (کتاب الام ص ۱۶۹ ج ۴)

لیکن دین کے متعلق فتنہ اور آزمائش میں مبتلا ہونے کے باوجود ہر انسان ہجرت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا ایسے شخص کے متعلق دین اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟ ایسے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق اپنے دین کا اظہار کرے اگر فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اور وہاں سے ہجرت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو اس کے لیے اپنے دین کو چھپانا اور اس کا اظہار نہ کرنا جائز ہے تاکہ آزمائش وغیرہ سے محفوظ رہے لیکن اسے جب بھی موقع ملے اپنے دین سے تمسک رکھے اور اسکے تقاضے کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے اور از خود اپنے قول و فعل سے کفار کی تائید سے اجتناب کرے اور وہاں اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے اسے کوئی مجبوری ہو تو الگ بات ہے، ایسے حالات میں دین کو چھپانا اور اسے ظاہر نہ کرنا تقیہ کہلاتا ہے، کسی معقول عذر کے بغیر کفر کی ہمنوائی اور اللہ کی نافرمانی کرنا نفاق اور دھوکہ دہی ہے جس کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں، اس معقول کی تعیین حالات و واقعات سے ہوتی ہے، ہمارے نزدیک ایسے حالات میں تقیہ کی دو اقسام ہیں، کتمان اسلام کا تقیہ، اظہار کفر کا تقیہ۔ ب ہم ان دونوں اقسام کی واقعات سے وضاحت کرتے ہیں۔

غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور ان کے اسلام لانے کا کسی کو علم نہیں تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو چکا ہوں، اب میرے لیے جو حکم ہو میں اسے بجا لانے کے لیے تیار ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کو ہماری طرف سے اجازت ہے، دشمنوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو کیونکہ لڑائی دھوکے کا نام ہے، پھر یہودیوں اور مشرکین کے پاس گئے اور انہیں یہ باور کرا دیا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اس طرح ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور انہیں میدان چھوڑ کر بھاگ جانے کا راستہ ہموار کیا۔ (زادالمعاد ص ۲۷۴ ج ۳)

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی خیر خواہی اور مصلحت کے لیے یہ جنگی چال اختیار کی اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا، یہود و مشرکین سے بظاہر اپنی ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کیا، اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنگی حالات میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے پیش نظر کتمان اسلام کیا جاسکتا ہے اور اس طرح کے حالات میں تقیہ کیا جاسکتا ہے، یہ واقعہ کتمان اسلام کے تقیہ سے متعلق ہے اور اس طرح کفار کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے، ایسے حالات میں کسی مصلحت کے پیش نظر اپنے اسلام کو چھپانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اب ہم تقیہ کی دوسری قسم یعنی اظہار کفر سے دھوکہ دینا بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ کعب بن اشرف یہودی کو کون قتل کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے، یہ سن کر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میں یہ کام سرانجام دوں گا، یارسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس کا کام تمام کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں، آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی کہ تم ہمارے متعلق جو کہنا چاہو کہہ سکتے ہو، اس کے بعد حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اس شخص یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہم سے صدقہ مانگ کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کردیا ہے، کعب بن اشرف کہنے لگا ابھی کیا ہوا ہے تم آئندہ اس سے بڑی بڑی مصیبتوں میں پڑو گے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا چونکہ ہم اس کی پیروی کا دم بھر چکے ہیں اس لیے ایسے حالات میں ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے ہیں، ہاں چند دن بعد اس کا انجام دیکھ کر اسے خیر باد کہہ دیں گے، سر دست ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وسق یا دو وسق اناج مہیا کردیا جائے، کعب بن اشرف نے کہا کہ اس کے عوض تم میرے پاس کیا چیز گروی رکھو گے الغرض حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے باتوں میں کعب بن اشرف کو اپنے قابو میں لے لیا آخر کار اس کے سر کی خوشبو سونگھنے کے بہانے اس کا کام تمام کردیا۔ (صحیح بخاری، المغازی ۴۰۳۷)

اس حدیث کے مطابق حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لیے بظاہر کفر کا اظہار کیا ہے یعنی اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی تا کہ وہ انہیں اپنا دوست خیال کرے اور آپ ﷺ سے برگشتہ سمجھے۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگی حالات میں مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر تقیہ کیا جاسکتا ہے وہ خواہ اسلام کو چھپانے کی شکل میں ہو جیسا کہ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا تھا خواہ اظہار کفر کی صورت میں ہو جیسا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آخری واقعہ پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے۔

''جنگ میں جھوٹ بولنا''

اور امام ابوداؤد نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے۔

دشمن کو دھوکہ دینا اور اسے چکمہ دینے کے لیے ان کی مشابہت اختیار کرنا۔

تقیہ کی ان دونوں اقسام کے متعلق ایک بات کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تقیہ کی پہلی قسم جس کا تعلق کتمان اسلام سے ہے اسکے لیے انسان کی عاجزی اور بے بسی ہی کافی ہے، اس کے لیے ایسی مجبوری کا ہونا ضروری نہیں جس میں انسان بے اختیار ہو جاتا ہے لیکن تقیہ

کی دوسری قسم جس میں کفر کا اظہار کیا جاتا ہے اس میں لاچاری اور اکراہ کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

''جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا الا یہ کہ وہ مجبور کردیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو یہ معاف ہے) مگر جس نے برضاو رغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔(النحل:۱۰۶)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان مصیبتوں اور سختیوں سے گھبرا کر یا جان کے خطرہ کے پیش نظر منہ سے کوئی کلمہ کفر کہہ دے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر بدستور قائم ہو تو اس بات کی رخصت ہے ورنہ اصل حکم اور عزیمت یہی ہے کہ اس وقت بھی اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے اور وہ اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھائے۔ چنانچہ اس کے متعلق ہم پوری تفصیل پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اس اکراہ کی حدود و شرائط کیا ہیں جب کلمہ کفر کہنا جائز ہوتا ہے، تقیہ کے بہانے ابتدائی طور پر کسی معقول عذر کے بغیر اظہار کفر جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا مواخذہ فرمایا جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک جنگی راز سے اہل مکہ کو آگاہ کردیا تھا چونکہ انہوں نے مکہ میں اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کی حفاظت کے لیے ایسا کیا تھا اس لیے درگزر سے کام لیا گیا، تقیہ کے سلسلہ میں اہل سنت اور شیعہ میں یہی ایک بنیادی فرق ہے کہ وہ خوف و اکراہ کے بغیر بھی اسے جائز کہتے ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک ایسا کرنا نفاق اور کفر ہے، شیعہ کے نزدیک تقیہ کتمان حق اور ترک واجب سے عبارت ہے بلکہ ان کے ہاں دین کی بنیاد ہے جیسا کہ درج ذیل نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تقیہ اہل ایمان کے بہترین اعمال سے ہے۔
- حضرت حسین کا فرمان ہے کہ اگر تقیہ نہ ہوتا تو دشمن سے دوست کی پہچان نہ کرپاتے۔
- علی بن حسین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کردیں گے لیکن ترک تقیہ اور حقوق العباد کا ضیاع معاف نہیں ہوگا۔
- جعفر صادق کہتے ہیں کہ تقیہ میرا اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے اور تقیہ کا تارک نماز چھوڑنے والے کی طرح ہے، دین کے دس حصوں میں نو حصے تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔
- علی رضا کہتے ہیں کہ جو تقیہ پر عمل نہیں کرتا، اس کا اسلام خطرے میں ہے (وسائل الشیعہ ص ۴۶۶ ج ۶)

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں حق کا چھپانا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، بزدلی دکھانا اور دوغلی پالیسی پر عمل پیرا ہونا عام ہے، لیکن اہل سنت کا تقیہ ایسی باتوں کی تلقین نہیں کرتا، بلکہ اسے کسی دینی مصلحت کے پیش نظر جنگی حالات کے پیش نظر انتہائی مجبوری کے عالم میں استعمال کرنے کی اجازت ہے، اگرچہ ایسے حالات میں عزیمت کا تقاضا ہے کہ جان، جان آفریں کے حوالے کردے لیکن اظہار کفر نہ کرے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سید الشھداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ شخص جو کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کی پاداش میں قتل کردیا جائے وہ بھی شہداء کا سردار ہے (مستدرک حاکم ص ۱۹۵ ج ۳)

صحابہ کرام رضوان علیھم اجمعین کا کردار بھی اسی بات کی شہادت دیتا ہے کہ انتہائی لاچاری اور مجبوری کے وقت بھی اظہار کفر کے

بجائے اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے حضور پیش کر دیا جائے، سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت میں یہی عزیمت نظر آتی ہے کہ ان کے سینہ پر بھاری بھرکم پتھر رکھ کر انہیں شرک کرنے کے متعلق کہا جاتا لیکن وہ احد احد کا نعرہ لگا کر شرک کا انکار کر دیتے۔اس طرح حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب نے کہا کہ تو گواہی دیتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، فرماتے ہیں ہاں، پھر کہتا ہے کہ اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں، فرماتے ہیں کہ مجھے آپ کی بات سنائی نہیں دیتی، پھر آپ کا جوڑ، جوڑ کاٹ دیا گیا لیکن انہوں نے استقلال اور استقامت کا مظاہرہ کیا، سیدنا حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو مشرکین پکڑ کر آگ کے آلاؤ میں پھینک دیتے حتیٰ کہ ان کے جسم کی چربی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی لیکن کلمہ کفر زبان پر نہ لاتے، اصحاب اخدود اور غلام کا قصہ بھی قرآن میں ذکر ہوا ہے انہوں نے کس طرح مستقل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔ان تمام حضرات نے ایسے سنگین حالات میں عزیمت پر عمل کیا رخصت پر عمل کرنا اگرچہ جائز تھا تاہم انہوں نے ہمارے لیے درج ذیل نمونہ چھوڑا ہے۔

’’جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں تمہارا جو جی چاہے گا تمہیں ملے گا اور جو کچھ مانگو گے تمہارا ہوگا، یہ بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہوگی۔(حم السجدہ: ۳۰، ۳۱،۳۲)

موانع تکفیر

کسی کو کافر قرار دینا ''تکفیر'' کہلاتا ہے، یہ بہت نازک مسئلہ ہے۔اس سلسلہ میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے بھائی کو'' کافر'' کے الفاظ سے پکارتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے۔(صحیح بخاری، الادب، ۶۱۰۳)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس انسان کو کافر کہا گیا ہے اگر وہ فی الحقیقت کافر ہے تب تو وہ کافر ہوا اگر وہ واقعتاً کافر نہیں ہے تو کہنے والا کافر ہو گیا یعنی تکفیر دو دھاری تلوار ہے، جس نے ایک کو ضرور کاٹنا ہے، ہمارے اسلاف اس سلسلہ میں بہت محتاط تھے وہ کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے تھے۔انہوں نے تکفیر کے سلسلہ میں قواعد وضوابط مقرر کیے ہیں، اس کے اسباب وشرائط سے ہمیں آگاہ کیا ہے اور موانع کی بھی نشاندہی کی ہے، جب تک کسی میں ایسی شرائط نہ پائی جائیں کہ اسے کافر قرار دیا جاسکے اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو قطعی طور پر کسی کو کافر کہنے سے گریز کرنا چاہیے۔بعض دفعہ تکفیر کے اسباب وشرائط کے باوجود کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے میں کوئی رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے جسے ہم مانع سے تعبیر کرتے ہیں، کسی کو اسباب کفر کے باوجود کافر قرار دینے کے لیے متعدد موانع ہیں جن میں ایک اکراہ اور دوسرا تقیہ ہے، جن کی تفصیل سے ہم قارئین کو آگاہ کر چکے ہیں۔اب دیگر موانع پیش خدمت ہیں۔

o جہالت ولاعلمی:

اگر کسی انسان سے جہالت ولاعلمی کی وجہ سے کوئی کفریہ کام یا بات سرزد ہو جائے تو اسے معذور خیال کیا جائے اور اسے کافر قرار دینے کے بجائے اس کی جہالت دور کی جائے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دوران سفر اپنے باپ کی قسم اٹھائی، غیر اللہ کی قسم اٹھانا کفر یا شرک ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم اٹھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا''۔(مسند امام احمد ص ۱۲۵ ج ۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام لاعلمی کی وجہ سے تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی لاعلمی اور جہالت کے پیش نظر انہیں کافر قرار نہیں دیا، اور نہ ہی انہیں تجدید ایمان کے لیے کہا بلکہ ان کی لاعلمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں باپ دادا کی قسم اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔(صحیح بخاری، الادب، ۶۱۰۸)

لیکن اس جہالت کی کچھ حدود وقیود ہیں، مطلق جہل کو مانع قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس سے مراد وہ جہالت ولاعلمی ہے، جسے کسی وجہ سے انسان دور نہ کرسکتا ہو خواہ وہ خود مجبور ولاچار ہو یا مصادر علم تک اس کی رسائی ناممکن ہو، لیکن اگر کسی انسان میں جہالت کو دور کرنے کی ہمت ہے اور اسے اس قدر ذرائع ووسائل میسر ہیں کہ وہ اپنی جہالت کو دور کرسکتا ہے اس کے باوجود وہ کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے تو ایسے انسان کی جہالت کو کفر سے مانع قرار نہیں دیا جاسکے گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک اپنا رسول نہ بھیج لیں''۔(الاسراء:۱۵)

اس آیت کے تحت امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ بندوں پر اتمام حجت کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔
۱۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ تعلیمات کو حاصل کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔
۲۔ ان پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴۷۸ ج ۱۲)
اس سے معلوم ہوا کہ جہالت اور لاعلمی کو اتمام حجت کے سلسلہ میں ایک رکاوٹ شمار کیا گیا ہے۔
معقول تاویل: اگر کوئی کفریہ کام یا بات کا مرتکب اپنے پاس کوئی معقول تاویل رکھتا ہے تو اسے بھی معذور تصور کیا جائے گا، لیکن تاویل کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ میں عربی قاعدہ کے مطابق اس تاویل کی کوئی گنجائش ہو اور علمی طور پر اس عمل پر بات کی توجیہہ ممکن ہو، اگر کسی کو اس کی تاویل یا معقول وجہ سے اتفاق نہ ہو تو اسے کافر کہنے کی بجائے بات کے قائل یا کام کے فائل پر اس تاویل یا معقول وجہ کا بودا پن واضح کر دیا جائے واضح رہے کہ ہر تاویل تکفیر کے لیے مانع نہیں بن سکتی بلکہ وہ تاویل، تکفیر کے لیے رکاوٹ کا باعث ہو گی جس کی بنیاد کسی شرعی دلیل میں غور و فکر پر ہو لیکن اس شرعی دلیل کو سمجھنے میں اسے غلطی لگ جائے مثلاً حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے شراب پی لی جب انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں پیش کیا گیا تو انہوں نے درج ذیل آیت بطور دلیل پیش کر دی:
''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں اس بات پر کچھ گناہ نہیں ہو گا جو پہلے شراب پی چکے ہیں جبکہ آئندہ پرہیز کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں''۔ (المائدہ: ۹۳)
''اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے تاویل میں غلطی کا ارتکاب کیا ہے اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے تو ضرور اس شراب سے اجتناب کرتا''۔ (الاصابہ: ص ۲۲۹ ج ۳)
اس قسم کی تاویل کرنے والا معذور ہو گا اور اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا ہاں اگر تاویل کی بنیاد کوئی شرعی دلیل نہیں بلکہ محض عقل و قیاس اور خواہشات نفس ہیں تو اس قسم کی تاویل کرنے والا معذور نہیں ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لعین ابلیس سے سوال کیا تھا کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ (الاعراف: ۱۲)
اسی طرح باطنی حضرات کی تاویلات ہیں جن کی بنیاد پر انہوں نے شرعی واجبات سے راہ فرار اختیار کیا ہے، امام بخاری نے اس سلسلہ میں اپنی صحیح میں ایک عنوان بایں الفاظ کیا ہے۔
''اگر کسی نے معقول وجہ کے پیش نظر یا نادانستہ طور پر کسی کو کافر کہا تو کہنے والا کافر نہیں ہو گا''۔ (الادب باب نمبر ۷۴)
اس عنوان کے تحت آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کیا ہے جب انہوں نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا تھا کہ یہ منافق ہے اور ان کے پاس ''منافق'' کہنے کی معقول وجہ تھی کہ حضرت حاطب، کفار مکہ سے دوستی رکھے ہوئے ہیں اور ہمارے جنگی راز اہل مکہ کو بتاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلط فہمی کو دور فرمایا لیکن مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تکفیر نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو عرش پر سے دیکھا اور انہیں اپنی طرف سے مغفرت کا پروانہ عنائت فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب باب نمبر ۷۴) قادیانی لوگ بھی تاویلات کا سہارا

لے کر مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، انہیں کسی شرعی دلیل کو سمجھنے میں غلطی نہیں لگی کہ یہ لوگ معذور خیال کیے جائیں بلکہ یہ مرتدین کا ٹولہ ہے اور ان کی تاویلات محض خواہشات نفس کا پلندہ ہیں اس کے علاوہ علمائے امت نے ان تاویلات کا بوداپن ان پر ظاہر کر دیا ہے۔

o بعض اوقات کسی غلطی کی وجہ سے انسان کے منہ سے کلمہ کفر سرزد ہو جاتا ہے ایسے حالات میں بھی اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ مثلاً اس نے کوئی بات کہنا تھی لیکن کسی وجہ سے نادانستہ طور پر اس کی زبان سے کوئی کفر کی بات نکل جاتی ہے ایسا شدت جذبات میں ہوتا ہے، اس قسم کے جذبات کی دو اقسام ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(ا) انسان پر شدت خوف کی کیفیت طاری ہو اور اس دہشت کے عالم میں اگر زبان سے کلمہ کفر نکل جائے تو قابل مواخذہ نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد میری لاش کو جلا دینا پھر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دینا یا پانی میں بہا دینا تاکہ اس طرح میں اللہ کے حضور پیشی سے بچ جاؤں۔ (صحیح بخاری، الانبیاء: ۳۴۸۱)

مرنے والے کا یہ عقیدہ کہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اسے زندہ نہیں کر سکے گا یہ کفریہ عقیدہ ہے چونکہ دہشت کے مارے ایسا ہوا اس لیے اسے معذور سمجھتے ہوئے معاف کر دیا گیا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس نے دہشت اور غلبہ خوف کے وقت ایسا کیا جبکہ عقل پر پردہ پڑ چکا تھا اس نے دل کی گہرائی سے حقیقت کو جانتے ہوئے ایسا نہیں کیا تھا اس وجہ سے وہ معذور تھا گویا وہ غافل اور بھولنے والے کی طرح تھا جن سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ (فتح الباری ۶۴۰ ج ۶)

(ب) بعض اوقات فرحت و انبساط کے عالم میں انسان اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر منہ سے کلمہ کفر کہہ دیتا ہے، یہ بھی قابل مواخذہ نہیں ہے حدیث میں ہے کہ ایک آدمی دوران سفر اپنی سواری زادسفر سمیت گم کر بیٹھا، نیند کے بعد جب اس نے اونٹنی کو ساز و سامان سمیت اپنے سامنے دیکھا تو مارے خوشی کے بطور شکر اس نے یوں کہا:

''اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں''۔ (صحیح مسلم، التوبہ: ۶۹۶۰)

حدیث میں ہے کہ اس نے خوشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر یہ کلمات کہے اور غلطی کا ارتکاب کیا، ایسے حالات میں اسے کافر نہیں کہا جائے گا حافظ ابن حجر ان دونوں احادیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک پر خوف کا غلبہ اور دوسرے پر خوشی کا غلبہ، اس لیے دونوں کو معذور قرار دیا گیا۔ (فتح الباری ص ۳۸۱ ج ۱۱)

o نشہ کی حالت:

اگر کوئی انسان نشہ کی حالت میں کفریہ بات کہہ دے یا کفر پر مبنی کام کرے تو قابل مواخذہ نہیں ہے بلکہ عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے اسے معذور سمجھا جائے گا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانا تیار کیا، دعوت دی، ہم نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا، اس کے بعد شراب کا دور چلا، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا، انہوں نے مجھے نماز کے لیے امام بنا لیا، میں نے مدہوشی کی حالت میں سورہ الکفرون بایں طور تلاوت کی:

'' قل یا یھا الکفرون o لا اعبد ما تعبدون o نحن نعبد ما تعبدون o ''.

چنانچہ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔
''ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہوتو نماز کے قریب نہ جاؤ''۔(النساء:۴۳)
اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی بحالت نشہ رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا تھا کہ تم سب میرے باپ کے غلام ہو، رسول اللہ ﷺ نے ان کلمات کو سنا اور خاموشی سے واپس آ گئے''۔(صحیح بخاری، ۴۰۹۱)
حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنھم نے نشہ کی حالت میں یہ کلمات ادا کیے تھے اس لیے انہیں معذور سمجھتے ہوئے تجدید ایمان کا نہیں کہا گیا۔معلوم ہوا کہ نشہ کی حالت میں کیا ہوا کوئی کام یا کہی ہوئی کسی بات کا اعتبار نہیں ہے۔

مرفوع القلم:

شریعت میں بعض لوگوں کو مخصوص حالات میں مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے، اس دوران اگر ان سے کوئی کفریہ کام یا کفر پر مبنی بات سرزد ہو جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''تین آدمیوں سے (گناہ لکھنے کا) قلم اٹھالیا گیا ہے سونے والے سے بیدار ہونے تک، بچے سے اس کے بالغ ہونے تک، اور پاگل سے اس کے سمجھدار ہونے تک''۔(مسند امام احمد ص ۱۰۰ ج ۶)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیند، صغر سنی اور دیوانگی ایسی حالتیں ہیں کہ اگر اس دوران انسان سے کوئی کفر و شرک سرزد ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔
o تکفیر کے موانع میں سے ایک مانع یہ بھی ہے کہ انسان حکایت کے طور پر کوئی کفریہ بات کہے عام مشہور ہے کہ ''نقل کفر، کفر نباشد''۔یعنی کفر کو حکایت کے طور پر نقل کرنا کفر نہیں ہے جیسا کہ فرعون کے کفر کو بایں الفاظ نقل کیا جائے کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں یا یہود مدینہ کی بات نقل کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تنگ دست ہے اور ہم مالدار ہیں وغیرہ ہاں اگر کوئی مذکورہ کفر سے اتفاق کرتے ہوئے اپنی رضا و رغبت سے اسے نقل کرتا ہے تو اس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔مذکورہ موانع تکفیر کے پیش نظر اگر کسی سے کفر و شرک سرزد ہو جائے تو اسے کافر یا مشرک نہیں کہا جائے گا، لیکن دور حاضر کے خوارج بڑے غیر محتاط واقع ہوئے ہیں وہ کسی کو کافر قرار دینے میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔
''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہی خوارج کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں انہوں نے جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی تھیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیا''۔(صحیح بخاری، مرتدین، باب نمبر ۶) اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین پر عمل کی توفیق دے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر کرے۔(آمین)